

مَعْدُودَةً طَقْلُ أَتَّخَذْنَ تُرْعَنَدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ  
 اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ بَلِي  
 مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ  
 النَّارِ هُمْ فِيهَا خَلِدُونَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا  
 الصِّلَاحَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَلِدُونَ ۝  
 وَإِذْ أَخَذْنَا مِيشَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى  
 وَإِلَوَالَّدِينِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسِكِينِ  
 وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَأَتُوا الزَّكُوَةَ طَ  
 ثُمَّ تَوَلَّتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُعْرِضُونَ ۝  
 وَإِذْ أَخَذْنَا مِيشَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دَمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ

هرگز چھونے والی نہیں الای کہ چندروز کی سزا مل جائے تو مل جائے۔ [۹۱] ان سے پوچھو، کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے، جس کی خلاف ورزی وہ نہیں کر سکتا؟ یا بات یہ ہے کہ تم اللہ کے ذمے ڈال کر ایسی باتیں کہہ دیتے ہو جوں کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ اس نے ان کا ذمہ لیا ہے؟ آخر تمہیں دوزخ کی آگ کیوں نہ چھوئے گی؟ جو بھی بدی کمائے گا اور اپنی خطا کاری کے چکر میں پڑا رہے گا، وہ دوزخی ہے اور دوزخ ہی میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور جو لوگ ایمان لا سکیں گے اور نیک عمل کریں گے وہی جنتی ہیں اور جنت میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یاد کرو، اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، قیمتوں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا، لوگوں سے بھلی بات کہنا، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا، مگر تھوڑے آدمیوں کے سواتم سب اس عہد سے پھر گئے اور اب تک پھرے ہوئے ہو۔ پھر ذرا یاد کرو، ہم نے تم سے مضبوط عہد لیا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور نہ ایک دوسرے کو گھر سے

[۹۱] یہ یہودیوں کی عام غلط فہمی کا بیان ہے، جس میں ان کے عامی اور عالم سب مبتلا تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم خواہ کچھ کریں، بہر حال چونکہ ہم یہودی ہیں، لہذا جہنم کی آگ ہم پر حرام ہے اور بالفرض اگر ہم کو مزادی بھی گئی، تو بس چندروز کے لیے وہاں بھیجے جائیں گے اور پھر سیدھے جنت کی طرف پہنادیے جائیں گے۔

أَنفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرُتُمْ وَأَنْتُمْ تَشَهَّدُونَ ۝ ٨٣  
 أَنْتُمْ هُؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فِرِيقًا مِنْكُمْ  
 مِنْ دِيَارِهِمْ زَانَظَهَرُونَ عَلَيْهِمْ بِالْإِثْمِ وَالْعُدُوِّ إِنَّ وَإِنْ  
 يَأْتُوكُمْ أُسْرَى تَقْدُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ ۖ  
 أَفَتُؤْمِنُونَ بِعَضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضِ ۚ فَمَا جَزَاءُ  
 مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خَزْنٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَيَوْمَ  
 الْقِيَمَةِ يُرَدُّونَ إِلَى أَشَدِ الْعَذَابِ ۖ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا  
 تَعْمَلُونَ ۝ أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ  
 فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ۝ ٨٤

بے گھر کرنا۔ تم نے اس کا اقرار کیا تھا، تم خود اس پر گواہ ہو۔ مگر آج وہی تم ہو کہ اپنے بھائی بندوں کو قتل کرتے ہو، اپنی برادری کے کچھ لوگوں کو بے خانماں کر دیتے ہو، ظلم و زیادتی کے ساتھ ان کے خلاف جنہے بندیاں کرتے ہو، اور جب وہ لڑائی میں پکڑے ہوئے تمہارے پاس آتے ہیں، تو ان کی رہائی کے لیے فدیہ کا لین دین کرتے ہو، حالانکہ انہیں ان کے گھروں سے نکالنا ہی سرے سے تم پر حرام تھا۔ تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ [٩٢] پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں، ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں؟ اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے، جو تم کر رہے ہو۔ یہ لوگ ہیں، جنہوں نے آخرت نیچ کر دنیا کی زندگی خریدی ہے، لہذا ان کی سزا میں کوئی تخفیف ہوگی اور نہ انہیں کوئی مدد پہنچ سکے گی ۱۴

[٩٢] بَنِي إِبْرَاهِيمَ كَيْ آمَدَ سے پہلے مدینے کے اطراف کے یہودی قبائل نے اپنے ہمسایہ عرب قبیلوں (آؤس اور خوزرج) سے حلفیانہ تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ جب ایک عرب قبیلہ دوسرے قبیلے سے بر سر جنگ ہوتا، تو دونوں کے خلیف یہودی قبیلے بھی اپنے اپنے خلیف کا ساتھ دیتے اور ایک دوسرے کے مقابلے میں نبرد آزمائہ جاتے تھے۔ یہ غلط صریح طور پر کتاب اللہ کے خلاف تھا اور وہ جانے بوجھتے کتاب اللہ کی خلاف ورزی کر رہے تھے۔ مگر لڑائی کے بعد جب ایک یہودی قبیلے کے اسیر ان جنگ دوسرے یہودی قبیلے کے ہاتھ آتے تھے، تو غالب قبیلہ فدیہ لے کر انہیں چھوڑتا اور مغلوب قبیلہ فدیہ دے کر انہیں چھڑاتا تھا، اور اس فدیہ کے لین دین کو جائز تھی رہانے کے لیے کتاب اللہ سے استدلال کیا جاتا تھا۔ گویا وہ کتاب اللہ کی اس اجازت کو تو سر آنکھوں پر رکھتے تھے کہ اسیر ان جنگ کو فدیہ لے کر چھوڑا جائے، مگر اس حکم کو ٹھکر دیتے تھے کہ آپس میں جنگ ہی نہ کی جائے۔

أَتَيْنَا مُوسَى الْكِتَبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرَّسُلِ ذَوَاتِنَا  
عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدْسِ طَافَ كُلَّا  
جَاءَ كُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرُتُمْ  
فَفَرِيقًا كَذَّبُتُمْ زَوْفَرِيقًا تَقْتَلُونَ ۝ وَقَالُوا قُلُوبُنَا  
غُلْفٌ بَلْ لَعْنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَا يُؤْمِنُونَ ۝  
وَلَهُمَا جَاءَ هُمْ كِتَبٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ لَا  
وَكَانُوا مِنْ قَبْلٍ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ  
فَلَهُمَا جَاءَ هُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ذَلِكَ عَذَابُ اللَّهِ عَلَى

ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اس کے بعد پے در پے رسول بھیجی، آخر کار عیسیٰ ابن مریم کو روشن نشانیاں دے کر بھیجا اور روح پاک سے اس کی مد<sup>[۹۳]</sup> کی۔ پھر یہ تمہارا کیا ڈھنگ ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمہاری خواہشات نفس کے خلاف کوئی چیز لے کر تمہارے پاس آیا، تو تم نے اس کے مقابلے میں سرکشی ہی کی، کسی کو جھٹلا یا اور کسی کو قتل کر دا! وہ کہتے ہیں، ہمارے دل محفوظ<sup>[۹۴]</sup> ہیں۔ نہیں، اصل بات یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ کی پھٹکار پڑی ہے، اس لیے وہ کم ہی ایمانلاتے ہیں۔ اور اب جو ایک کتاب اللہ کی طرف سے ان کے پاس آئی ہے، اس کے ساتھ ان کا کیا برداو ہے؟ باوجود یہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود تھی، باوجود یہ وہ اس کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے، مگر جب وہ چیز آگئی، جسے وہ پہچان بھی گئے، تو انہوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔<sup>[۹۵]</sup> خدا کی لعنت ان منکرین پر،

[۹۳] ”روح پاک“ سے مراد علم و حی بھی ہے، اور جبریل بھی جو وہی کا علم لاتے تھے اور خود حضرت مسیح کی اپنی پاکیزہ روح بھی، جس کو اللہ نے قدسی صفات بنایا تھا۔ ”روشن نشانیوں“ سے مراد وہ کھلی کھلی علامات ہیں، جنہیں دیکھ کر ہر صداقت پسند طالب حق انسان یہ جان سکتا تھا کہ مسیح علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں۔

[۹۴] یعنی ہم اپنے عقیدہ و خیال میں اتنے پختہ ہیں کہ تم خواہ کچھ کہو، ہمارے دلوں پر تمہاری بات کا اثر نہ ہوگا۔ یہ وہی بات ہے جو تمام ایسے ہست دھرم لوگ کہا کرتے ہیں جن کے دل و دماغ پر جاہلہ تھے عصب کا تسلط ہوتا ہے۔ وہ اسے عقیدے کی مضبوطی کا نام دے کر ایک خوبی شمار کرتے ہیں، حالانکہ اس سے بڑھ کر آدمی کے لیے کوئی عیب نہیں ہے کہ وہ اپنے موروثی عقائد و افکار پر جنم جانے کا فیصلہ کر لے، خواہ ان کا غلط ہونا کیسے ہی قوی دلائل سے ثابت کر دیا جائے۔

[۹۵] نبی ﷺ کی آمد سے پہلے یہودی بے چینی کے ساتھ اس نبی کے منتظر تھے جس کی بعثت کی پیشین گوئیاں ان کے انبیاء نے کی تھیں۔

**الْكُفَّارُ ۝ بِئْسَمَا اشْرَوْا بِهٗ أَنفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ بَعْدًا أَنْ يُنَزِّلَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلٰى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ فَبَأْءُ وَبِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ وَلِلْكُفَّارِ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَمْنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا**

کیسا برادر یہ ہے جس سے یا پے نفس کی تسلی حاصل کرتے ہیں<sup>[۹۶]</sup> کہ جو ہدایت اللہ نے نازل کی ہے، اس کو قبول کرنے سے صرف اس ضد کی بنا پر انکار کر رہے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل (وہی ورسالت) سے اپنے جس بندے کو خود چاہا، نواز دیا!  
لہذا اب یہ غضب بالا غضب کے مستحق ہو گئے ہیں اور ایسے کافروں کے لیے خنت ذات آمیز سزا مقرر ہے۔

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاو، تو وہ کہتے ہیں ”ہم تو صرف

دعائیں مانگا کرتے تھے کہ جلدی سے وہ آئے تو کفار کا غالبہ مٹے اور پھر ہمارے عروج کا دور شروع ہو۔ خود اہل مدینہ اس بات کے شاہد تھے کہ بعثت محمدؐ سے پہلے یہی ان کے ہمسایہ یہودی آنے والے نبی کی امید پر جیا کرتے تھے اور ان کا آئے دن کا تنکیہ کلام یہی تھا کہ ”اچھا، اب تو جس جس کا جی چاہے ہم پر ظلم کر لے، جب وہ نبی آئے گا تو ہم ان سب ظالموں کو دیکھ لیں گے۔“ اہل مدینہ یہ باتیں سنے ہوئے تھے، اسی لیے جب انہیں نبی ﷺ کے حالات معلوم ہوئے تو انہوں نے آپس میں کہا کہ دیکھنا، کہیں یہ یہودی تم سے بازی نالے جائیں۔ چلو، پہلے ہم یہ اس نبی پر ایمان لے آئیں۔ مگر ان کے لیے یہ عجیب ماجرا تھا کہ وہی یہودی، جو آنے والے نبی کے انتظار میں گھڑیاں گن رہے تھے، اس کے آنے پر سب سے بڑھ کر اس کے مقابلے بن گئے۔

اور یہ جو فرمایا کہ ”وہ اس کو پہچان بھی گئے“، تو اس کے متعدد ثبوت اسی زمانے میں مل گئے تھے۔ سب سے زیادہ معتبر شہادت ام المؤمنین حضرت صفیہؓ گی ہے، جو خود ایک بڑے یہودی عالم کی بیٹی اور ایک دوسرے عالم کی بھتیجی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی ﷺ مدینے تشریف لائے تو میرے باپ اور پچادنوں آپ سے ملنے گئے۔ بڑی دیر تک آپ سے گفتگو کی۔ پھر جب گھر واپس آئے تو میں نے اپنے کانوں سے ان دونوں کو یہ گفتگو کرتے سنایا:

چچا: کیا واقعی یہ وہی نبی ہے، جس کی خبریں ہماری کتابوں میں دی گئی ہیں؟

والد: خدا کی قسم، ہاں۔

چچا: کیا تم کو اس کا یقین ہے؟

والد: ہاں۔

چچا: پھر کیا ارادہ ہے؟

والد: جب تک جان میں جان ہے، اس کی مخالفت کروں گا اور اس کی بات چلنے نہ دوں گا۔ (ابن حشام۔ جلد دوم۔ صفحہ: ۱۲۵، طبع جدید)

[۹۶] اس آیت کا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے: ”کیسی بڑی چیز ہے، جس کی خاطر انہوں نے اپنی جانوں کو نجع ڈالا۔“ یعنی اپنی

فلاح و سعادت اور اپنی نجات کو قربان کر دیا۔

[۹۷] یہ لوگ چاہتے تھے کہ آنے والا نبی ان کی قوم میں پیدا ہو۔ مگر جب وہ ایک دوسری قوم میں پیدا ہوا، جسے وہ اپنے مقابلے

نُؤْمِنُ بِمَا أُنْزَلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَأَءَهُ قَوْهُ  
 الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ فُلْ فِلْمَ تَقْتُلُونَ أَنْذِيَاءَ  
 اللَّهُ مِنْ قَبْلٍ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۖ ۹۱ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ  
 مُوسَى بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ  
 ظَلِيمُونَ ۖ ۹۲ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيشَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمْ  
 الْطُّورَ ۖ حُذِّرُوا مَا أَتَيْنَكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْتَهْوَا قَالُوا سَمِعْنَا  
 وَعَصَيْنَا قَوْهُ أُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ  
 بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِنْ يَمْأُنُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۖ ۹۳  
 قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً  
 مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۖ ۹۴

اس چیز پر ایمان لاتے ہیں، جو ہمارے ہاں (نسل اسرائیل میں) اتری ہے۔ ”اس دائرے کے باہر جو کچھ آیا ہے، اسے ماننے سے وہ انکار کرتے ہیں، حالانکہ وہ حق ہے اور اس تعلیم کی تصدیق و تائید کر رہا ہے جو ان کے ہاں پہلے سے موجود تھی۔ اچھا، ان سے کہو: اگر تم اس تعلیم ہی پر ایمان رکھنے والے ہو تو تمہارے ہاں آئی تھی، تو اس سے پہلے اللہ کے ان پیغمبروں کو (جو خود بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے تھے) کیوں قتل کرتے رہے؟ تمہارے پاس موسیٰ کیسی نسبی روشن نشانیوں کے ساتھ آیا۔ پھر بھی تم ایسے خالم تھے کہ اس کے پیٹھے موڑتے ہی بچھڑے کو معبد بنایا ہی۔ پھر ذرا اس میثاق کو یاد کرو، جو طور کو تمہارے اوپر اٹھا کر ہم نے تم سے لیا تھا۔ ہم نے تاکید کی تھی کہ جو ہدایات ہم دے رہے ہیں، ان کی حقیقت کے ساتھ پابندی کرو اور کان لگا کر سنو۔ تمہارے اسلاف نے کہا کہ ہم نے سن لیا، مگر مانیں گے نہیں۔ اور ان کی باطل پرستی کا یہ حال تھا کہ دلوں میں ان کے بچھڑا ہی بسا ہوا تھا۔ کہو: اگر تم مومن ہو، تو یہ عجیب ایمان ہے، جو ایسی ب瑞 حرکات کا تمہیں حکم دیتا ہے۔ ان سے کہو کہ اگر واقعی اللہ کے نزدیک آخوت کا گھر تمام انسانوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے ہی لیے مخصوص ہے، تب تو تمہیں چاہیے کہ موت کی تمنا کرو، [۹۸] اگر تم اپنے اس خیال میں سچ ہو۔

میں پیچ سمجھتے تھے، تو وہ اس کے انکار پر آمادہ ہو گئے۔ گویا ان کا مطلب یہ تھا کہ اللہ ان سے پوچھ کر نبی بھیجا۔ جب اس نے ان سے نہ پوچھا اور اپنے فضل سے خود جسے چاہا، نواز دیا، تو وہ بگز بیٹھے۔

[۹۸] یہ ایک تعریض اور نہایت طفیل تعریض ہے ان کی دنیا پرستی پر۔ جن لوگوں کو واقعی دار آخوت سے کوئی لگاؤ ہوتا ہے، وہ دنیا پر منے نہیں جاتے اور نہ موت سے ڈرتے ہیں۔ مگر یہودیوں کا حال اس کے برعکس تھا اور ہے۔

وَلَنْ يَتَمَتَّعُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ<sup>۹۸</sup>  
 بِالظُّلْمِيْنَ ۖ وَلَتَجْدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسَ عَلَى حَيَاةٍ<sup>۹۹</sup>  
 مَعَنْهُ وَمَنِ الَّذِينَ أَشْرَكُوا<sup>۱۰۰</sup> يَوْمًٌ أَحَدُهُمْ لَوْيَعْمَرُ أَلْفَ سَنَةٍ<sup>۱۰۱</sup>  
 وَمَا هُوَ بِمُزَّحِّجٍ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ وَاللَّهُ بَصِيرٌ<sup>۱۰۲</sup>  
 بِمَا يَعْمَلُونَ ۖ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوا لِجَبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ<sup>۱۰۳</sup>  
 عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى  
 وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ۖ مَنْ كَانَ عَدُوا لِلَّهِ وَمَلِكَتْهُ

یقین جانو کہ یہ بھی اس کی تمناہ کریں گے، اس لیے کہ اپنے ہاتھوں جو کچھ کما کر انہوں نے وہاں بھیجا ہے، اس کا اقتضا یہی ہے (کہ یہ وہاں جانے کی تمناہ کریں)، اللہ ان ظالموں کے حال سے خوب واقف ہے۔ تم انہیں سب سے بڑھ کر جینے کا حریص<sup>[۹۹]</sup> پاؤ گے حتیٰ کہ یہ اس معاملے میں مشرکوں سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح ہزار برس جیسے، حالانکہ لمبی عمر بہر حال اسے عذاب سے تو دو نہیں پھینک سکتی۔ جیسے کچھ اعمال یہ کر رہے ہیں، اللہ تو انہیں دیکھے ہی رہا ہے<sup>[۱۰۰]</sup>

ان سے کہو کہ جو کوئی جبریل سے عداوت رکھتا ہو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ جبریل نے اللہ کے اذن سے یہ قرآن تمہارے قلب پر نازل کیا ہے<sup>[۱۰۱]</sup>۔ جو پہلے آئی ہوئی کتابوں کی تقدیم و تائید کرتا ہے<sup>[۱۰۲]</sup> اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور کامیابی کی بشارت بن کر آیا ہے۔ (اگر جبریل سے ان کی عداوت کا سبب یہی ہے، تو کہہ دو کہ) جو اللہ اور اس کے فرشتوں

<sup>[۹۹]</sup> اصل میں علی حیوۃ کا لفظ ارشاد ہوا ہے، جس کے معنی ہیں کسی نکسی طرح کی زندگی۔ یعنی انہیں محض زندگی کی حرص ہے، خواہ دو کسی طرح کی زندگی ہو، عزت اور شرافت کی ہو یا ذلت اور کمیتہ پن کی۔

<sup>[۱۰۰]</sup> یہودی صرف نبی ﷺ کو اور آپ پر ایمان لانے والوں ہی کو برانہ کہتے تھے، بلکہ خدا کے برگزیدہ فرشتے جبریل کو بھی گالیاں دیتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ ہمارا شمن ہے۔ وہ رحمت کا نہیں، عذاب کا فرشتہ ہے۔

<sup>[۱۰۱]</sup> یعنی اس بنا پر تمہاری گالیاں جبریل پر نہیں بلکہ خداوند برتر کی ذات پر پڑتی ہیں۔

<sup>[۱۰۲]</sup> مطلب یہ ہے کہ یہ گالیاں تم اسی لیے تودیتے ہو کہ جبریل یہ قرآن لے کر آیا ہے، اور حال یہ ہے کہ یہ قرآن سراسر تورات کی تائید میں ہے۔ اللہ اتمہاری گالیوں میں تورات بھی حصے دار ہوئی۔

<sup>[۱۰۳]</sup> اس میں لطیف اشارہ ہے اس مضمون کی طرف کہ نادانو، اصل میں تمہاری ساری ناراضی ہدایت اور راہ راست کے خلاف ہے۔ تم اثر ہے ہو اس صحیح رہنمائی کے خلاف، جسے اگر سیدھی طرح مان لو، تو تمہارے ہی لیے کامیابی کی بشارت ہو۔

وَرُسُلِهِ وَجَبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوُّ لِلْكُفَّارِينَ ۝  
 وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَمَا يَكُفُّرُ بِهَا إِلَّا  
 الْفَسِقُونَ ۝ أَوْ كُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَّبَذُهُ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ  
 بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَهُمْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ  
 اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا  
 الْكِتَابَ لَا كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَانُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝  
 وَاتَّبَعُوا مَا تَتَلَوَّ الشَّيْطَانُ عَلَى مُلْكِ سُلَيْمَانَ ۚ وَمَا  
 كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلِكِنَّ الشَّيْطَانَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ

اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کے دشمن ہیں، اللہ ان کا فروں کا دشمن ہے۔ ہم نے تمہاری طرف ایسی آیات نازل کی ہیں جو صاف صاف حق کا اظہار کرنے والی ہیں۔ اور ان کی پیروی سے صرف وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو فاسق ہیں۔ کیا ہمیشہ ایسا ہی نہیں ہوتا رہا ہے کہ جب انہوں نے کوئی عہد کیا، تو ان میں سے ایک نہ ایک گروہ نے اسے ضرور ہی بالاے طاق رکھ دیا؟ بلکہ ان میں سے اکثر ایسے ہی ہیں، جو سچے دل سے ایمان نہیںلاتے۔ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی رسول اس کتاب کی تصدیق و تائید کرتا ہوا آیا جو ان کے ہاں پہلے سے موجود تھی، تو ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کتاب اللہ کو اس طرح پس پشت ڈالا، گویا کہ وہ کچھ جانتے ہی نہیں۔ اور لگے ان چیزوں کی پیروی کرنے، جو شیاطین، سلیمان کی سلطنت کا نام لے کر پیش کیا کرتے تھے، [۱۰۳] حالانکہ سلیمان نے کبھی کفر نہیں کیا، کفر کے مرتكب تودہ شیاطین تھے جو لوگوں کو جادو گری کی تعلیم دیتے تھے۔

[۱۰۳] شیاطین سے مراد شیاطین جن اور شیاطین انس دونوں ہو سکتے ہیں اور دونوں ہی یہاں مراد ہیں۔ جب ہی اسرائیل پر اخلاقی و مادی انحطاط کا دور آیا اور غلامی، جہالت، نکبت و افلات اور ذلت و پستی نے ان کے اندر کوئی بلند حوصلگی و اولو العزمی باقی نہ چھوڑی، تو ان کی توجہات جادوؤں نے اور طلسمات و "عملیات" اور تعویذ گندوں کی طرف مبذول ہونے لگیں۔ وہ ایسی تدبیریں ڈھونڈنے لگے، جن سے کسی مشقت اور جدوجہد کے بغیر محض پھونکوں اور منتروں کے زور پر سارے کام بن جایا کریں۔ اس وقت شیاطین نے ان کو بہکانا شروع کیا کہ سلیمان علیہ السلام کی عظیم الشان سلطنت اور ان کی حیرت انگیز طاقتیں تسب کچھ چند نقوش اور منتروں کا نتیجہ تھیں، اور وہ ہم تمہیں بتائے دیتے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر ان چیزوں پر ٹوٹ پڑے اور پھر نہ کتاب اللہ سے ان کو کوئی دلچسپی رہی اور نہ کسی داعی حن کی آواز انہوں نے سن کر دی۔

السِّحْرَةِ وَمَا أُنْزَلَ عَلَى الْمَلَكِينَ بِبَأْبَلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ  
وَمَا يُعْلَمُ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا  
تَكْفُرُ طَفْلٌ تَعْلَمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمُرَءَ  
وَرَوْجَهٖ طَوْمَاهُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا يَادِنَ اللَّهَ

وہ پیچھے پڑے اس چیز کے جو بابل میں دو فرشتوں، ہاروت و ماروت پر نازل کی گئی تھی، حالانکہ وہ (فرشتے) جب بھی کسی کو اس کی تعلیم دیتے تھے، تو پہلے صاف طور پر متنبہ کر دیا کرتے تھے کہ ”دیکھ، ہم محض ایک آزمائش ہیں، تو کفر میں بتلانے ہو۔“ [۱۰۵] پھر بھی یہ لوگ ان سے وہ چیز سمجھتے تھے، جس سے شوہرا اور بیوی میں جدائی ڈال دیں۔ [۱۰۶] ظاہر تھا کہ اذن الہی کے بغیر وہ اس ذریعے سے کسی کو بھی ضرر نہ پہنچا سکتے تھے

[۱۰۵] اس آیت کی تاویل میں مختلف اقوال ہیں، مگر جو کچھ میں نے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ جس زمانے میں بنی اسرائیل کی پوری قوم بابل میں قیدی اور غلام بنی ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو انسانی شکل میں ان کی آزمائش کے لیے بھیجا ہوگا۔ جس طرح قوم لوط کے پاس فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں گئے تھے، اسی طرح ان اسرائیلیوں کے پاس وہ پیروں اور فقیروں کی شکل میں گئے ہوں گے۔ وہاں ایک طرف انہوں نے بازار ساحری میں اپنی دکان لگائی ہوگی اور دوسری طرف وہ اتمامِ جمعت کے لیے ہر ایک کو خبردار کر دیتے ہوں گے کہ دیکھو، ہم تمہارے لیے آزمائش کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تم اپنی عاقبت خراب نہ کرو۔ مگر اس کے باوجود لوگ ان کے پیش کردہ عملیات اور نقوش اور تعویذات پر ٹوٹے پڑتے ہوں گے۔

فرشتے کے انسانی شکل میں آ کر کام کرنے پر کسی کو حیرت نہ ہو۔ وہ سلطنتِ الہی کے کار پرداز ہیں۔ اپنے فرائضِ منصی کے سلسلے میں جس وقت جو صورت اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے وہ اسے اختیار کر سکتے ہیں۔ ہمیں کیا خبر کہ اس وقت بھی ہمارے گرد وہ پیش کرنے فرشتے انسانی شکل میں آ کر کام کر جاتے ہوں گے۔ رہا فرشتوں کا ایک ایسی چیز سکھانا جو بجائے خود بری تھی، تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے پوس کے بے وروی سپاہی کسی رشوت خوار حاکم کو نشانِ زدہ سکے اور نوٹ لے جا کر رشوت کے طور پر دیتے ہیں تاکہ اسے عین حالتِ ارتکابِ جرم میں کپڑیں اور اس کے لیے بے گناہی کے غدر کی گنجائش باقی نہ رہنے دیں۔

[۱۰۶] مطلب یہ ہے کہ اس منڈی میں سب سے زیادہ جس چیز کی مانگ تھی وہ یہ تھی کہ کوئی ایسا عمل یا تعویذ مل جائے، جس سے ایک آدمی دوسرے کی بیوی کو اس سے توڑ کر پہنچنے اور پر عاشق کر لے۔ یہ اخلاقیِ زوال کا وہ انتہائی درجہ تھا، جس میں وہ لوگ بتلا ہو چکے تھے۔ ازدواجی تعلق درحقیقت انسانی تمدن کی جڑ ہے۔ عورت اور مرد کے تعلق کی درستی پر پورے انسانی تمدن کی درستی کا اور اس کی خرابی پر پورے انسانی تمدن کی خرابی کا مدار ہے۔ لہذا وہ شخص بدترین مفسد ہے جو اس درخت کی جڑ پر تیش چلاتا ہو جس کے قیام پر خود اس کا اور پوری سوسائی کا قیام منحصر ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ابلیس اپنے مرکز سے زمین کے ہر گوشے میں اپنے ایجنت روانہ کرتا ہے۔ پھر وہ ایجنت واپس آ کر اپنی اپنی کارروائیاں سناتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے: میں نے فلاں قند براپا کیا۔ کوئی کہتا ہے: میں نے فلاں شر کھڑا کیا۔ مگر ابلیس ہر ایک سے کہتا جاتا ہے کہ تو نے کچھ نہ کیا۔ پھر ایک آتا ہے اور اطلاع دیتا ہے کہ میں ایک عورت اور اس کے شوہر میں جدائی ڈال آیا ہوں۔ یہ سن کر ابلیس اس کو گلے لگایتا ہے اور کہتا ہے کہ تو کام کر کے آیا ہے۔ اس حدیث پر غور کرنے سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ جاتی ہے کہ بنی اسرائیل کی

وَيَتَعْلَمُونَ مَا يَصْرِفُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوا  
لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَالَهُ فِي الْأُخْرَةِ مِنْ خَلَاقِنَّا ۖ وَلَبِسَ  
مَا شَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ ۖ لَوْكَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ وَلَوْأَنَّهُمْ  
أَمْنُوا وَاتَّقُوا لِمَتْنَوْبَةً ۗ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ حَيْرَ ۖ لَوْكَانُوا  
يَعْلَمُونَ ۝ يَا إِيَّاهَا الَّذِينَ أَمْنُوا لَا تَقُولُوا رَأَيْنَا وَقُولُوا  
إِنْظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۖ وَلِلْكُفَّارِ يُنَزَّلُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ مَا يَوْدُ

مگر اس کے باوجود وہ ایسی چیز سمجھتے تھے جو خود ان کے لیے نفع بخش نہیں، بلکہ نقصان دہ تھی اور انھیں خوب معلوم تھا کہ جو اس چیز کا خریدار بنا، اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ کتنی بڑی متعاق تھی جس کے بدے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا، کاش انہیں معلوم ہوتا! اگر وہ ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کے ہاں اس کا جو بدلہ ملتا، وہ ان کے لیے زیادہ بہتر تھا۔ کاش انہیں خبر ہوتی! <sup>[۱۰۷]</sup>

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، رَاعِنَا نَهْ كَهَا كَرُو، بلکہ انْظُرْنَا كَهَا او رَتْوَ جہ سے بات کو سنو، <sup>[۱۰۸]</sup> یہ کا فرتو

عذاب الیم کے مستحق ہیں۔

آزمائش کو جو فرشتے بھیجے گئے تھے، انہیں کیوں حکم دیا گیا کہ عورت اور مرد کے درمیان جدائی ڈالنے کا "عمل"، ان کے سامنے پیش کریں۔ دراصل یہی ایک ایسا پیانہ تھا جس سے ان کے اخلاقی زوال کو تھیک نہیں پا جاسکتا تھا۔

[۱۰۷] اس روکوئے اور اس کے بعد والے روکوئے میں نبی ﷺ کی پیروی اخیار کرنے والوں کو ان شرارتوں سے خودار کیا گیا ہے جو اسلام اور اسلامی جماعت کے خلاف یہودیوں کی طرف سے کی جا رہی تھیں، ان شہبادت کے جوابات دیے گئے ہیں جو یہ لوگ مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے، اور ان خاص خاص نکات پر کلام کیا گیا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ یہودیوں کی گفتگو میں زیر بحث آیا کرتے تھے۔ اس موقع پر یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ جب نبی ﷺ میں پہنچے اور ان اطراف میں اسلام کی دعوت پھیلنی شروع ہوئی، تو یہودی جگہ جگہ مسلمانوں کو مذہبی بحثوں میں الجھانے کی کوشش کرتے تھے، اپنی موشگا فیوں اور تشكیکات اور سوال میں سے سوال نکالنے کی بیماری ان سیدھے اور سچے لوگوں کو بھی لگانا چاہتے تھے اور خود نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں آ کر پر فریب مکارانہ باتیں کر کے اپنی گھٹیار بھی کی ذہنیت کا ثبوت دیا کرتے تھے۔

[۱۰۸] یہودی جب آں حضرت ﷺ کی مجلس میں آتے تو اپنے سلام اور کلام میں ہر ممکن طریقے سے اپنے دل کا بخار نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔ {آپ کی توہین کے لیے} ذو معنی الفاظ بولتے، زور سے کچھ کہتے اور زیر لب کچھ اور کہہ دیتے، اور ظاہری ادب آداب برقرار رکھتے ہوئے در پردہ آپ کی توہین کرنے میں کوئی دلیل اٹھانہ رکھتے تھے۔ قرآن میں آگے چل کر اس کی متعدد مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ یہاں جس خاص لفظ کے استعمال سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے، یہ ایک ذو معنی لفظ تھا۔ جب آں حضرت ﷺ کی گفتگو کے